سرائیکی ادب میں اسلامی تہذیب کے عناصر

ڈاکٹر طاہر تونسوی

عرب اور ہندوستان ازمنۂ قدیم سے ہیں۔ قبل از اسلام بھی عربوں اور ہندوستانیوں کے تجارتی تعلقات تھے اور بحری راستے سے آنا جانا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''عرب و ہند کے تعلقات'' میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے ... عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔''(۱)

اسلام کی روشنی پھیلتے ہی اس سے جہاں دوسرے خطے روشن ہوئے وہاں ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے قدم پہنچے اور پہلی صدی ہجری میں دیبل سے ملتان تک اسلامی فتوحات سے پہلے بھی سندھ میں مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ شیخ محمد اکرام ''آبِ کوثر'' میں رقم طراز ہیں:

''رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ''مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے۔'' یہ حدیث ضعیف کے درجے سے بالاتر نہیں لیکن اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامعین یا اس حدیث کے راوی ہندوستان سے بے خبر نہ ہوں گے۔ اقبال نے اپنی نظم میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے:

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا کی جس مکاں سے میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے (2)

بہرحال یہ جوشِ محبت کے کرشمے اور قصہ کہانیوں پر مبنی ہیں۔ لیکن عرب اور ہندو پاکستان کے درمیان قدیم الایام سے ایسے تجارتی روابط قائم ہوگئے تھے جنھوں نے دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا اور جن کی تصدیق سے مؤرخین کو انکار نہیں۔ (3)

اس تناظر میں جب عرب میں اسلام پھیلا تو عرب اور ہندوستان کے تعلقات بڑھتے گئے اور مسلمان ملاحوں اور تاجروں نے ان تعلقات کو اور اُستوار کیا۔ اس بات کا اعتراف اعجاز الحق قدوسی نے یوں کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ محمد بن قاسم کے فوجی حملے سے پہلے اسلام ہندوستان میں بذریعہ تبلیغ داخل ہو چکا تھا اور جنوبی ہند میں اسلام مسلمان مبلغوں، تاجروں، درویشوں اور سیاحوں کے ذریعے برابر ترقی کر رہا تھا۔'' (4)

سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے سے یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ ۷۱۳ء میں محمد بن قاسم نے ملتان کو تسخیر کیا۔ یوں پہلی صدی ہجری کے آخر میں یہاں مسلم اثرات نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ''محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ اس کے بعد سے تقریباً سوا سو برس تک یہ ملک پہلے دمشق اور پھر بغداد کی حکومت کا جُز رہا۔ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے بیچ میں متعصم باللہ کے بعد مرکز کی کمزوری کے سبب یہاں عرب گورنروں نے خودمختاری سی حاصل کر لی۔ اس کے بعد کہیں ہندو راجاؤں نے کسی کسی حصہ پر قبضہ کرلیا اور کہیں مسلمانوں نے اپنی ریاستیں

کھڑی کرلیں۔ سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک ان میں سے بعض مسلمان ریاستیں سندھ میں قائم تھیں۔ ان میں سے دونسبتاً ذرا بڑی تھیں۔ ایک سندھ کے سرے پر منصورہ میں اور دوسری سندھ کے خاتمہ پر ملتان میں۔ چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک جو عرب سیاح یہاں آتے گئے وہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کا حال بیان کرتے آئے ہیں۔ ملتان، منصورہ، دیبل اور دوسرے شہروں سے سلطان محمود کے وجود سے پہلے بیسیوں مسلمان عالم اور محدث پیدا ہوئے۔''(۵)

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو ملتان کی سندھ سے ایک الگ حیثیت تھی۔ بلکہ اسے مرکزیت بھی حاصل تھی۔ معتصم باللہ کے بعد ملتان سندھ اور منصورہ کے حکمرانوں کے ماتحت رہا اور بعد میں سندھ سے الگ ہو کر ایک خودمختار اور مستقل حکومت بن گیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ''ملتان سے مقصود صرف ایک شہر نہیں بلکہ پورا صوبہ ہے جو کبھی پوری ایک ریاست بلکہ سلطنت تھا۔ مصر کے وزیر مہلبی نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا ہے کہ ''اس کی حدود وسیع ہیں۔ پچھم طرف مکران اور دکھن میں منصورہ (سندھ) تک اس کی وسعت ہے۔''(۶) ملتان میں ۲۷۳ھ میں حلم بن شیبان حاکم بن کر آیا اور یہیں سے ملتان میں قرامطی یا اسمعیلی حکومت کی داغ بیل پڑی۔ بشاراحمی مقدسی لکھتا ہے ''ملتان والے شیعہ ہیں ... ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں۔''

قرامطی 1010ء تک برسرِ اقتدار رہے: آخری قرامطی حاکم ابوالفتح داؤد کا خاتمہ سلطان محمود غزنوی نے کیا۔ غزنویوں کے زوال کے بعد ایک بار پھر قرامطی ملتان میں برسرِ اقتدار آ گئے اور سلطان محمد غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا اور ملتان میں ناصر الدین قباچہ کو حکمران بنایا۔ ''اس نے ایبک کی وفات کے بعد 1210ء۔ 1211ء میں بقیہ حصوں پر بھی قبضہ کرلیا اور سندھ اور ملتان کے خطوں پر الگ حکومت قائم کی اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ یہ سکہ ملتانی زبان میں تھا بعد میں وہ ملتان سے اپنا مرکز اُچ لے گیا۔ 1227ء میں التتمش نے قباچہ کو شکست دے کر ملتان اور اُچ کو فتح کر کے اس کا

سلطنت دہلی سے الحاق کرلیا۔ سلطان محمد تغلق کے بعد ملتان ایک بار پھر دہلی سے آزاد ہوا اور سندھ کے ماتحت رہا۔ اس دَور میں سندھ پر سومرہ خاندان کی حکومت تھی جو 1052ء میں قائم ہو کر 1315ء تک یعنی تین سو آٹھ سال رہی۔ اس کے بعد سمہ خاندان نے قبضہ کرلیا اور وہ 1519ء تک حکومت کرتے رہے۔ اس دوران ملتان کئی بار خود مختار بھی ہوا۔ ایک بار پھر مرزا حسین ارغون نے 1524ء میں ملتان پر حملہ کیا اور ڈیڑھ سال کے محاصرہ کے بعد فتح کیا۔ منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں ''سندھ اور ملتان میں ارغون خاندان کا اقتدار انتہائی عروج پر تھا کہ بابر نے حملہ کر کے اس کا خاتمہ کردیا۔''(7)

1526ء میں بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی تو ملتان کی اپنی الگ حیثیت ختم ہوئی البتہ مغلیہ سلطنت کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے یہاں سکھوں کا بھی قبضہ رہا اور بالآخر ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد ملتان بھی انگریزی عملداری میں شامل ہوا اور پھر قیامِ پاکستان کے بعد مملکتِ خداداد پاکستان کا حصہ بنا۔ یوں دیکھا جائے تو ہر دَور میں ملتان کی مرکزیت اور اہمیت قائم رہی اور ہر زمانے میں اُسے بڑی اہمیت حاصل رہی۔

(2)

ملتان کی سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی مذہبی، علمی، ادبی اور تہذیبی حیثیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اسلامی دور حکومت میں ملتان پر پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی سے اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ اسی طرح تیسری صدی ہجری سے صفاریوں کی فتوحات کی بنا پر ایرانی اثرات بھی پھیلے یوں عربی زبان کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری کے سیاحوں نے ملتان کے بارے میں اور اس کی زبان، اس کے تہذیب وتمدن کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اصطخری (۳۴۰ھ) لکھتا ہے۔ منصورہ اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے۔(8)

اسی طرح ابن حوقل (۳۶۷ھ) رقم طراز ہے۔ منصورہ اور ملتان اور اس کے

اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے۔(9)

چونکہ اس زمانے میں ملتان تک سندھ ہی کہلاتا تھا اس لئے سیاحوں نے ملتان میں بھی بولی جانے والی زبان کو سندھی کا نام دیا ہے حالانکہ ملتان کی زبان سندھی سے مختلف تھی جس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔ بہرحال عربوں اور خاص طور پر مسلمانوں کی آمد نے جہاں سندھ کی زبانوں پر اثرات مرتب کئے وہاں سندھ اور ملتان کی تہذیب وثقافت میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں پیدا کیں جنہیں ہم اسلامی تہذیب کے عناصر کا نام دے سکتے ہیں۔ اسلام سے قبل ہندوستان اور خاص طور پر سندھ اور ملتان کے باشندے ہندومت، بدھ مت، جین مت اور اس طرح کے دوسرے مذاہب کے پیروکار تھے۔ ملتان دواطراف سے اسلامی تہذیبی اثرات کا اسیر ہوا، ایک عرب سے دوسرا افغانستان و ایران سے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ملتان پر افغانی و ایرانی اثرات زیادہ ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ شیخ محمد اکرام کی اس رائے سے اختلاف کی گنجائش نہیں، وہ لکھتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جو سرچشمہ فیض بہایا تھا وہ تو خشک نہ ہوا لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے اور جو نہریں اس چشمہ فیض سے نکلی تھیں وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہوگئیں۔ پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے .....سندھ اور ملتان ۷۱۳ء میں فتح ہوئے تھے اس کے بعد کوئی ڈھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بے کھٹکے حکومت کرتے رہے۔(10)

یوں 992ء میں سلطان محمود غزنوی نے اس سرزمین کی طرف قدم بڑھائے اور اسلامی اثرات کو مزید مستحکم کیا۔ اس اعتبار سے ملتان میں عربی و ہندی تمدن و معاشرت کی خوشگوار آمیزش پیدا ہوگئی تھی۔ البیرونی لکھتا ہے۔ ''شہر میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد تھی۔'' اسی طرح اصطخری نے لکھا ہے۔ ''ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہوکر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ خالص ہندو راجاؤں کی پُرشان وشکوہ سواری گویا عرب امیروں کو پسند آچکی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ پاجامہ پہنتے ہیں اور اکثر لوگ فارسی اور سندھی بھی

بولتے ہیں۔غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں لباس اور زبان کی یکسانی بھی پیدا ہوچکی تھی۔ ابن حوقل (367ھ) نے یہاں کے طرز لباس اور زبان کے متعلق اس قسم کا بیان دیا ہے، کہتا ہے۔''یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور بالوں کو چھوڑنے کا بھی یکساں طریقہ ہے اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے..... 375ھ میں بشاری آیا اس نے یہاں کے اخلاق اور تمدن کا بہت اچھا نقشہ کھینچا ہے کہتا ہے۔''ملتان منصورہ سے چھوٹا ہے مگر اس سے زیادہ آباد۔پھل گوزیادہ نہیں مگر سستے ہیں.....اور (عراق کی بندرگاہ) سیراف کی طرح سال کی لکڑی کے کئی کئی منزل کے مکانات ہیں۔یہاں بدکاری اور شراب خوری نہیں اور جو اس جرم میں پکڑے جاتے ہیں، ان کو قتل کیا جاتا ہے یا کوئی سخت سزا دی جاتی ہے۔ خرید وفروخت میں نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ کم تولتے ہیں۔مسافروں کی خاطر کرتے ہیں۔ اکثر باشندے عرب ہیں۔نہر کا پانی پیتے ہیں.....حکومت منصفانہ ہے۔بازار میں کوئی عورت بناؤسنگھار کئے ہوئے نہیں ملے گی اور نہ کوئی اس سے راستہ میں اعلانیہ بات کرتا ہے۔پانی اچھا، زندگی عیش ومسرت کی اور خوش دلی ومروت ہے۔فارسی زبان سمجھی جاتی ہے۔تجارت کا نفع خاصا ہے جسم میں تندرستی ہے لیکن شہر میلا ہے، مکانات تنگ ہیں، ہوا خشک اور گرم ہے، رنگ گندم گوں اور سیاہ ہے۔''(11)

ان سیاحوں کے بیانات سے ملتان پر عربی تہذیب وتمدن کے آثار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسلام کے پیغامِ مساوات اور محبت نے یہاں کے سابقہ عقائد میں زلزلہ برپا کردیا اور لوگ دامنِ اسلام میں آکر سکون و عافیت محسوس کرنے لگے۔ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے تمدن و ثقافت پر عربی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔''اب دیبل سے ملتان تک کھجور کی جونئی پود نظر آتی اس کے درختوں کا قد وقامت پہلے سے زیادہ مختلف نہ ہوتا مگر اس میں جو خوشے لگتے ان کا رنگ وروپ اور ذائقہ کچھ بدلا ہوا ضرور ہوتا۔ایسا ذائقہ جو عربوں کو عراق کی یاد دلاتا اور سندھی اس کو اپنی زمین کی پیداوار قرار دیتے اور یہ تغیر کچھ غیر متوقع نہ تھا۔''(12) اسی طرح آغا تاج محمد اپنے ایک مضمون ''سندھ کے لوک گیت'' میں لکھتے ہیں ''ہر ایک ملک کی زبان اور

تمدن پر اس وقت کے فاتحین کی زبان اور رسم و رواج کا بہت اثر پڑتا ہے۔ علاقہ سندھ میں عربوں کی آمد کے بعد عربی رسم الخط کا آغاز ہوا۔ اصلی باشندگان سندھ نے ٹوپیاں اتار کر پگڑیاں باندھنا شروع کر دیں۔ کھجوریں بوئی گئیں۔ گھوڑے کی سواری قابل فخر سمجھی جانے لگی..... اہلِ عرب کی تقلید کرتے ہوئے دوتارہ اور گھڑوں پر نغمہ سرائی کرنے کو باعثِ تفریح تصور کیا جاتا تھا۔'' (13)

یہی صورت حال ملتان کی بھی تھی۔ اسلام کے آتے ہی مساوات آئی۔ سرمایہ داری، جاگیرداری اور ملوکیت کا خاتمہ ہوا۔ عوام کی طرف سے خاصا خوش آمدید ہوا اور عوام میں مقبولیت ہوئی۔ انہوں نے سسٹم کو دیکھا اور صرف مذہب کے طور پر نہیں بلکہ زندگی اور تمدن کے طور پر اسے قبول کیا۔ وادیٔ سندھ کا کلچر خاصا مضبوط ہے۔ باہر سے آنے والے ثقافتی حملوں نے اپنے اثرات پیدا تو کئے مگر مقامی اثرات بھی رہے۔ سب سے بڑا انقلاب ناموں کے سلسلے میں برپا ہوا کہ جب یہاں کے باشندوں نے اسلامی نام رکھے مگر مقامی نام بھی برقرار رہے۔ اس طرح دو نام رکھے گئے مثال کے طور پر نبی بخش اللہ بچائیو۔ غلام حسین ہدایت اللہ وغیرہ۔ ابوظفر ندوی نے ''تاریخ سندھ'' میں، مولانا غلام رسول مہر نے ''تاریخ سندھ'' میں اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ''سومرن جو دور'' میں سومرہ خاندان کے ناموں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس میں دو دو نام ہیں۔ رہن سہن کے طریقوں میں عربی اثرات ترتیب گئے۔ اسی طرح مذہبی اصطلاحات میں صلوٰۃ، درود، مصلیٰ، تسبیح وغیرہ کے نئے الفاظ آئے بلکہ اب تک نماز کی نیت اہلِ ملتان مقامی زبان میں ہی کرتے ہیں مثلاً ''نیت کریندا نماز دی نماز پڑھداں واسطے خدا دے۔ دو رکعت نماز فرض، فرض اللہ تعالیٰ دے، وقت نماز فجر، بندگی حق تعالیٰ دی، منہ خانے کعبے دو، اللہ اکبر۔''

اسی طرح دِنوں کے نام میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ خمیس اور جمعہ عربی سے اور اتوار، سوموار، منگل وار اور بُدھ وار ہندوانہ رہنے دیئے گئے۔ مقامی طور پر جو میلے ٹھیلے لگتے تھے وہ بھی برقرار رہے اور مقدس میلوں کی شکل عیدین نے لے لی۔ نسب نامے عربوں کو یاد تھے اور

یہ وہاں کی ایک خصوصیت ہے اور شجرہ نسب کو عرب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے زیرِ اثر اس علاقے میں بھی مراثیوں کا طبقہ بنا جو مقامی لوگوں کے نسب نامے یاد کرتا تھا اور موقع محل کی مناسبت سے سناتا بھی تھا۔

اہلِ ملتان کے لباس کے بارے میں کچھ حوالے اوپر آ گئے ہیں۔ یہاں قمیص اور شلوار بھی پہننے کا رواج ہوا۔ زیورات میں بازو بند اور گلو بند آئے۔ پیشوں کے، اوزاروں کے نام بھی عربی و فارسی اپنائے گئے۔ رقص و سماع کی محافل اور صوفیانہ رنگ بھی در آیا۔ اسی طرح بعض اسلامی رسوم بھی اپنائی گئیں۔ مثلاً عقیقہ، ختنہ اور نکاح وغیرہ شادی بیاہ کی رسموں میں اگرچہ تبدیلیاں آئیں تاہم ہندوانہ رسمیں بھی جڑی رہیں۔ اخلاقیات، عقائد اور صوفیانہ نظریات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ غرض اسلامی تہذیب نے ملتانی تہذیب و ثقافت کو ایک طرح سے تبدیل کر کے رکھ دیا۔

ایک فلاسفر Locke (لاک) کا کہنا ہے کہ ''آپ مجھے کسی قوم کے خدا کے بارے میں بتا دیں تو میں اس قوم کی ثقافت، سماج اور طریقِ زندگی وغیرہ سب کچھ آئینے کی طرح بتا دوں گا۔''

اس قول کی روشنی میں اگر ادیان کا تقابل کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں کئی خدا ہیں۔ ایران میں دو خدا (یزداں، ہرمن) عیسائیت میں تین خدا مگر اسلام میں صرف ایک خدا کا تصور ہے چنانچہ نظریۂ توحید نے یہاں کے لوگوں کی حالت کو بدل کر رکھ دیا اور انہوں نے سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی اس کو عملی طور پر رائج کیا جس کا ذکر عرب سیاحوں کے سفرناموں میں موجود ہے۔

اسلام میں علم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ہر مرد اور عورت کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لئے سب سے بڑا مدرسہ اور یونیورسٹی مسجدِ نبوی تھی جہاں سے علم حاصل کرنے کے بعد اَن گنت علم کے شیدائی دنیا کے تمام خطوں میں پھیل گئے اور قرآن کی تعلیم بستی بستی شروع ہوگئی اور اس کی تعلیم کے لئے مسجد بہت بڑا علمی مرکز بن گئی

اور بعد میں اسلامی درس گاہوں نے یہ کام کیا جہاں ناظرہ قرآن، قرآنی مسائل اور ایمان کی شرطوں کی تعلیم مقامی زبان میں دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ فارسی زبان کی کتابوں کے مقامی زبانوں میں ترجمے پڑھائے جاتے تھے۔ واعظین اور مبلغین مقامی زبان میں وعظ کرتے تھے اور بستی بستی جا کر قرآنی تعلیمات کو عام کرتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے کا سارا یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا اور ثقافتی و تہذیبی اعتبار سے اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کا سہرا بلاشبہ صوفیا اور مبلغین کے سر ہے جنہوں نے اسلام کی شمع روشن کی اور دور دراز کا سفر کر کے علم کی پیاس بجھائی۔

(3)

ہندوستان اور خاص طور پر سندھ اور ملتان میں صوفیا نے اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے خاصا اہم کام کیا اور ان کی وجہ سے اسلام پھیلا۔ یقینی طور اگر یہ صوفیائے کرام تبلیغِ دین کا کام نہ کرتے تو اس خطے میں مسلمان نہ ہوتے۔ جن صوفیائے کرام نے اس علاقے میں دینی خدمات انجام دیں ان کے نام یہ ہیں:

شاہ یوسف گردیزؒ	1086ء تا 1152ء
بہاء الدین زکریا ملتانی	1172ء تا 1262ء
شاہ شمس سبزواری	وفات 1269ء
سید جلال الدین سرخ بخاری	وفات 1291ء
مخدوم جہانیاں جہاں گشت	وفات 1384ء
خواجہ نور محمد مہاروی	1142ھ تا 1205ھ
خواجہ محمد عاقل	متوفی 1229ھ
حافظ جمال ملتانی	متوفی 1226ھ
شاہ سلیمان تونسوی	1184ھ تا 1267ھ
خواجہ اللہ بخش تونسوی	1241ھ تا 1319ھ

ان سے پہلے حضرت بابا فرید گنج شکر کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ملتان کے نزدیک اجودھن (پاکپٹن) میں مقیم تھے۔ یوں دیکھا جائے تو ملتان اور اُچ میں تبلیغی اور صوفیانہ سرگرمیاں سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کی وجہ سے ہوئیں بلکہ سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود ہیں۔ البتہ چشتیوں نے اپنا نظام پاکپٹن سے لے کر لکھنوتی اور لکھنؤ اور دہلی سے لے کر دیوگیر تک قائم کیا۔

صوفیا کی سرگرمیوں کی بِنا پر تصوف کے جو اثرات تہذیبی اور سماجی زندگی پر پڑے اس کے نکات یہ ہیں:

1۔ شخصی ملکیت کے تصور کا خاتمہ ہوا۔ اولیاء اور صوفیاء کے پاس جو کچھ آتا تھا غربا اور مستحقین میں بانٹ دیتے تھے۔

2۔ جماعت خانے کی تشکیل ہوئی جہاں اپنے ہاتھ سے کام کیا جاتا تھا۔

3۔ عوام سے گہرا تعلق پیدا ہوا اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ اُجاگر کیا گیا۔

4۔ عورتوں کی عزت و تکریم کا درس دیا گیا۔

5۔ جماعت خانہ علم و فضل کا مرکز بن گیا۔

6۔ مہمانوں کے قیام کے لئے مہمان خانے اور طعام کے لئے لنگر خانے جاری ہوئے۔

7۔ علم کے حصول کے لئے سفر پر نکلنے کی تلقین کی گئی۔

8۔ انفرادی آزادی کا پرچار کیا گیا۔

9۔ امن پسندی کا شعار اپنایا گیا۔

ملتان اور اس سے ملحقہ علاقوں میں یہ کام چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے کیا اور اس کیفیت و حالت کو یکسر بدل کر رکھ دیا جس کا نقشہ خلیق احمد نظامی نے کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں مذہبی حوا ''گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ ہر شخص طویل عرصے نہ صرف ''اسیرِ امتیاز ما دتُو'' تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار، اتحادِ فکر و عمل کا کہیں دُور دُ ملتانی کے ع

ہ ملتان نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے چشمے مسموم کر دیے تھے۔ زندگی کی ساری
لیغی اور لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے ان
خانقاہیں کی دردناک تصویر ابوالریحان البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں پیش کی ہے۔ زندگی اُن کے
اور لکھنؤ لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے اُنہیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے اُنہیں جانوروں کی زندگی
بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ البیرونی ملتان کی سماجی زندگی میں شریک ہوئے ہوں گے۔ اگرچہ
پر پڑے مغلیہ دور میں لکھتا ہے ''ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات
نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عند اللّٰہ اَتقَاکُم کے مطابق ان سے بالکل جُداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے
خاغر با اور بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔'' (14)

ان حالات میں صوفیا نے چھوت چھات کے بھیانک ماحول میں اسلام کے نظریات کا عملی طور پر پرچار کیا اور ذات پات کی اس غیر اسلامی تقسیم کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور اس طرح ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب برپا کیا۔ اس سلسلے میں اور خاص طور پر درس و تدریس کے سلسلے میں اُچ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اسلامی یونیورسٹی قائم کی۔ خاص طور پر ٹیچرز ٹریننگ کا پروگرام عملی طور پر پیش کیا۔
انے جاری جس میں مبلغین کو نہ صرف تعلیم دی جاتی تھی بلکہ ہُنر بھی سکھایا جاتا تھا تاکہ وہ روٹی روزی کا بھی بندوبست خود کر سکیں۔ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور
گوں کے اخلاق سدھارنے کی طرف توجہ دی۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمات قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے دور دراز علاقے میں اسلام کا بول بالا کیا اور اپنے فیوض و برکات سے لوگوں کو مالا مال کیا۔

نے کیا اور اس علم و فضل اور مرکزِ اولیاء و صوفیاء کے اعتبار سے خطۂ ملتان کی بڑی اہمیت ہے۔
ہے۔ لکھتے ہیں مذہبی حوالے سے عربی کا چرچا اسلام کی آمد سے ہوا۔ فارسی ایرانی اثرات کے تحت آئی اور
ہ تھی۔ ہر شخص طویل عرصے تک یہاں کی سرکاری زبان رہی۔ یہی کیفیت اُچ کی بھی تھی۔ بہاء الدین زکریا کہیں دُور دُور ملتانی کے عہد میں عراقی کافی عرصہ ملتان رہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی ''ملتان میں اردو شاعری''

کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں: ''مسلمانوں کی آمد کے بعد ملتان کو تجارتی و ثقافتی اہمیت حاصل ہوئی۔ جب تک دہلی کو دارالحکومت کی حیثیت حاصل نہیں تھی اس وقت تک ملتان کی مرکزی حیثیت مسلّم تھی بلکہ دہلی کی آبادی کے بعد لاہور کی طرح ملتان (15) بھی ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ فارسی ادب کے بعض نادر نمونے اسی سرزمین کی پیداوار ہیں۔ قباچہ کا دربار علم پروری اور علم دوستی کے لئے تاریخِ ملتان کا زریں دَور ہے۔ صدر الدین محمد اوفی کے تصنیفی کارنامے ملتان ہی کی سرزمین سے اُٹھے۔ قباچہ کے بعد اگرچہ ملتان کو وہ حیثیت حاصل نہ رہی لیکن اس کی ثقافتی و ادبی روایات کا تواتر قائم رہا۔

بلبن کے فرزند سلطان محمد شہید کی گورنری کے زمانے میں ملتان ایک بار پھر علم کا گہوارہ بن گیا۔ امیر خسرو اور حسن سجزی اسی سرزمین میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں شعروادب کی محفلیں گرم ہوئیں۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں بیان کیا ہے۔ ''سلطان نے اس مرحلے پر شیخ سعدی کو بھی ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی''۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح ملتان کو مرکزیت حاصل رہی مگر شعروادب کی روایات نے ملتان کی تہذیبی حیثیت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا''۔(16)

اس اعتبار سے ملتان علمی و ادبی لحاظ سے پیش پیش تھا۔ ملک الشعرا طالب آملی نے ایک عرصہ ملتان میں قیام کیا۔ چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی اس لئے فارسی شعراء کی تعداد بھی کم نہیں۔ کرنل عبدالرشید نے تذکرہ شعرائے پنجاب (فارسی) میں ملتان کے تیس شعراء کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ فارسی شعروادب کی خدمت میں ملتان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ''ملتان میں اُردو شاعری'' کا پہلا باب ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے انگریزی دور تک فارسی کا غلبہ رہا اور یوں خطۂ ملتان کی علمی و ادبی فضیلت قائم رہی۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے محمد بن قاسم کی آمد ہی سے ملتان میں اسلامی اثرات درآئے پھر صوفیا کے مساکن کی بنا پر یہاں تصوف کا خاصا چرچا رہا اور اسلامی ادب کی بنیاد پڑی۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات، ان کی تصنیفات، شعراء کے کلام اور میں اسلامی ادب کی

بھرپور جھلکیاں نظر آتی ہیں۔عربی اور پھر فارسی ان صوفیا کی زبان تھی مگر مقامی زبان یعنی ملتانی کے نمونے بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں (جو اگرچہ کتابی شکل میں سامنے نہیں آئے) خاص طور پر اسلامی مدرسوں اور درسگاہوں میں ملتانی زبان ہی میں قرآن، فقہ اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔اس لحاظ سے اسلامی ثقافت اپنی بہترین شکل میں موجود تھی۔

(5)

ازمنۂ قدیم میں ملتان کے خطے کی کیا زبان تھی اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔عرب سیاحوں کے بیانات, جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا ہے, کے مطابق یہاں عربی، فارسی اور سندھی بولی جاتی تھی۔ چونکہ یہ علاقہ بھی سندھ ہی کہلاتا تھا اس لئے سیاحوں نے اس خطے کی زبان کو بھی سندھی لکھا ہے۔ ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت ہے قدیم عہد میں جو بولیاں سنسکرت سے دُور تھیں یا اس کے مزاج کے مطابق نہ تھیں اُنہیں اَپ بھرنش کہا جاتا تھا۔اس حوالے سے وادیٔ سندھ میں وراچڈہ اپ بھرنش بولیاں بولی جاتی تھیں یا پشاچی زبان جو دراوڑی زبان ہے وادیٔ پامیر سے دیبل تک بولی جاتی تھی۔ جو میدانی زبان اس زمانے میں رائج تھی وہ وراچڈہ تھی۔ ڈاکٹر شیکل نے وراچڈہ زبان کے ایک مسلمان شاعر عبدالرحمٰن کا نمونہ دریافت کیا ہے مگر اُسے پڑھا نہیں جا سکا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق وراچڈہ ہی وہ زبان ہے جس کی موجودہ شکل ملتانی (اب سرائیکی) ہے۔یقینی طور پر اس زبان میں ادب بھی تخلیق کیا گیا مگر ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔عربوں کی آمد کے وقت ملتانی زبان اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھی۔ ہارون بن عبداللہ ملتانی (17) دوسری صدی ہجری کا ہندوستان کا سب سے بلند پایہ عربی شاعر تھا اور ملتانی کا بھی قادرالکلام شاعر تھا۔اس سے ملتانی زبان کی قدامت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بعض جملے درج کئے ہیں۔تاریخ فیروز شاہی کا فقرہ:

برکت شیخ پٹھا اک موا اک نٹھا

اسی طرح حضرت جہانیاں جہاں گشت کا قول جو انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی

راجو قتال کے حق میں فرمایا تھا ''اساں خوبے تساں راجے۔'' (18) بہرحال عربی اور فارسی کے زیرِ سایہ مقامی طور پر ملتانی بھی پرورش پاتی رہی اور اہلِ ملتان کے حکومت میں عمل دخل کی بدولت اس کا بھی کچھ نہ کچھ چرچا رہا۔ آئینِ اکبری میں ابوالفضل نے پہلی بار زبانوں میں اس کا نام ملتانی درج کیا ہے اور ویسے بھی سلطان محمود غزنوی سے لے کر مغلیہ دَور تک سرکار دربار میں ملتانی سوداگروں، تاجروں، عالموں، گورنروں اور حاکموں کی عملداری رہی اور ان سب کی زبان ملتانی ہی تھی۔ چنانچہ غیر سرکاری سطح پر ہی سہی ملتانی بھی درباروں تک پہنچی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کبھی بھی خواص کی زبان نہ بن سکی اور ہمیشہ عوام ہی میں رہی اور یہ ہمیشہ اولیاء کی زبان رہی اور اسے سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہوسکی بلکہ استحصال کا شکار رہی۔ البتہ سندھ میں سومرہ خاندان کی حکومت (1300ء تا 1439ء) میں اِسے عروج حاصل ہوا اور سرکاری سطح پر اسے تسلیم کیا گیا۔ محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

''سومرہ خاندان کے عہد میں جو بھٹی راجپوتوں کا ایک قبیلہ ہے سرائیکی زبان کو ملتان اور سندھ میں پہلی بار سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی ... سومرہ حکمرانوں نے سرائیکی زبان کو ملتان و سندھ کی سرکاری زبان قرار دیا۔'' (19)

سومرہ خاندان قرامطیوں کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا اور چونکہ قرامطہ ملتان کے حکمران تھے اور ان کی زبان بھی ملتانی (سرائیکی) ہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے ترقی دی یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرامطہ نے بھی زبان کے معاملے میں خاصی توجہ دی اور چونکہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے اس لئے ان کے دَور میں مرثیہ گوئی کو عروج ہوا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

(6)

عربوں نے جہاں سندھ اور ملتان کی تہذیب و ثقافت پر اثر ڈالا وہاں عربی زبان نے بھی مقامی زبانوں پر اثرات ڈالے اور مقامی زبانوں نے عربی کے کئی لفظ اپنائے، یہی کیفیت فارسی کی بھی ہے۔ چنانچہ ملتانی میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔ یوں

لسانی سطح پر عرب چھا گئے۔

نمونے کے طور پر کچھ الفاظ درج کئے جاتے ہیں:

عربی	سرائیکی
آزار	ازار
اصلاً	اصلوں
امیرالبحر	میر بحار
نجرہ	نجرا
بصل	وسل
تابوت	تبوت
تعویذ	تویذ
حُجرہ	حُجرا
حلیم	حلیم
حمائل	حمیل
زعم	زوم
طاس	تاس
طاق	طاق
طباخ	طباخی

اسی طرح فارسی زبان کے الفاظ کی فہرست بھی بنائی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ''ملتانی زبان اور اُس کا اردو سے تعلق'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 243-264۔ سید سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی میں ''دیسی زبانوں میں مسلمانی لفظوں کا میل'' میں اصطلاحات اور الفاظ کی فہرست دی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 26-30۔ چنانچہ بعض الفاظ

کو اسی طرح قبول کرلیا گیا جیسے اللہ، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خیرات، دعا، صدقات، رسول، پیغمبر، وحی، کتاب، دوزخ، بہشت، بادشاہ، وزیر، صوبہ دار، قاضی، انگور، انار، سیب، خربوز، بادام، گلاب، نرگس، نسرین وغیرہ۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عربی کس درجہ سرائیکی میں دخیل ہوئی۔

ایک روایت کے مطابق بزرگ بن شہریار نے جو عراقی مسلمان شاعر تھا اور ہندوستان کی مختلف زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا اس نے قرآنِ پاک کا ترجمہ سندھی میں کیا۔ قیاس غالب ہے کہ وہ چونکہ مقامی زبانیں جانتا تھا اس لئے ترجمہ کرتے وقت اُس نے سرائیکی کے الفاظ بھی استعمال کیئے ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھی کے بعد سرائیکی اس خطے کی دوسری زبان تھی اور آج بھی سندھ کے لوگ ذواللسان ہیں۔ بعض خاندانوں میں اب بھی سرائیکی بولی جاتی ہے۔

سرائیکی کی اب تک جو دو قدیم تحریریں ملی ہیں ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس پر کس قدر اسلامی اثرات تھے۔ پہلی تحریر قصیدہ بردہ کا ترجمہ ہے اور دوسری تحریر حُلیہ مبارک ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' میں ''سرائیکی زبان دیاں دو قدیم تحریراں'' کے عنوان سے انہیں شائع کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 61-109۔

قصیدہ بردہ کے مترجم کا ابھی تک پتہ نہیں لگ سکا۔ اِس کی زبان اور کتابت سے اس کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دوسری تحریر حلیہ مبارک غلام حسین کی لکھی ہوئی ہے جس کے حالات و واقعات پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

حمد ثنائی خدائی سچیکوں خالق خلقن ھارا
خلقیس نبی رسول محمدﷺ صورت اَنت سُہانڑا
پندا رہا رسول مبارکﷺ عیبوں بے نقصانوں
نُور تجلی نور نبیاں جلوہ نور نشانے

اس کے 55 اشعار ہیں اور شاعر کی قادرالکلامی کا مظہر ہیں۔ اسلامی اثرات کی بنا پر

سرائیکی میں دوہڑے، کافیاں، نور نامے، تولد نامے، معراج نامے، میت نامے، ہد ہد نامے، مولود شریف اور نصاب ضروری تحریر کئے گئے اور ان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے سرائیکی تراجم بھی ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق نور نامہ 752ھ کی تصنیف ہے اب تک اس کے مصنف کا پتہ نہیں لگ سکا البتہ اس کا متن مل جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے تتبع میں بھی کئی نور نامے لکھے گئے نمونہ دیکھئے:

صفت ثنا رتے دی کیجے جو صفتاں دا والی
باجھوں صفت ثنا رتے دی جانہیں کوئی خالی
خالق خلقت کُل اوپائی لکھ ہزار کروڑیں
مول شمار نہ کیتا جاوے عقل ونجے کے توڑیں
جو کجھ روئے زمین تے پیدا سبز سفید سیاہی
سرخی زردی گونا گونی قدرت سبھ الٰہی
اللہ واحد خالق رازق قادر ربّ توانا
جو کجھ جاتُس سو کجھ کیتُس ہر حکمت وچ دانا (20)

اسی طرح ایک اور نور نامہ بھی ملتا ہے جس کا نمونہ یہ ہے:

اول حمد ربینوں آکھاں جیندے ہتھ ارادہ
جس بود کیتی نابودوں خلقت جفت کہ نرمادہ
خلقت گونا گوں او پائی آدم جن ملائک
کُن فیکونوں ظاہر کیتُس کرے جو اُسنوں لائق
چھیاں دِناتوچہ چن تارے طبق زمین اسماناں
استوار کیتے رب خالق جیونکر وچ قرآناں
پڑھ کے نعت نبی آکھاں نال پڑھاں صلواتاں

آل اتے اصحاباں یاراں ساریاں نوں لکھ نعتاں

ان دونوں میں زبان اور بیان کا واضح فرق محسوس کیا جاسکتا ہے۔

'نجات المومنین' عبدالکریم جھنگوی کی تصنیف ہے جو 1086ھ میں لکھی گئی اس میں سرائیکی زبان کے الفاظ کی کثرت ہے۔نمونہ دیکھیے:

سبھ ثنا خدائنوں جیندا کل جہان

بہت درود رسول نوں لتھا جیں فرقان

وت درود اصحاباں نوں چارے جان عیان

اور آخر میں:

ایہہ مسائل فقہ دے پڑھ کے رکھو یاد

تا تھیو ڈینہ حشر دے دوزخ کنوں آزاد

لانا عبدی نے فقہ کے مسائل پر کئی رسالے لکھے جن میں تحفہ نص فرائض، انواع العلوم اور معرفتِ الٰہی معروف ہیں ان میں سرائیکی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ایک رسالہ حفظ الایمان بھی ہے جس کا نمونہ ملاحظہ ہو:

تمامی صفتاں چنگیاں جو کامل جل جلالہٗ

اسم جمیل تے اجمل صفتاں محبِ حبیبِ کمال

جوں خالق نوں مخلوقاں کیتا غیتاں کُل درویشاں

اسی طرح معراج نامہ بھی لکھا گیا اور اس کے کئی نمونے ملتے ہیں۔حافظ محمد شاعر کا معراج نامہ مشہور ہے اور کئی بار شائع ہوا ہے۔اس کا آغاز دیکھیے:

حمد خدا ستار کوں خلقیس زمین و آسمان

آخری پیدا کیتس نوروں نبی ہک عالیشان

رات ڈینہ ہر دم صلوٰۃ آکھے زبانوں مسلمان

پڑھ صفت حضرت نبی دی ہے اُمت دا آسرا
توں اگے فریاد میڈی یا محمد مصطفیٰ ﷺ (21)

ں میں سہرا معراج شریف کے نام سے احمد یار کا قلمی نسخہ ملا ہے جو حبیب فائق کے پاس موجود ہے۔ اس کے چند اشعار دیکھیے:

معراج مانے بناں معراج مانے بناں — توں ہیں کُل اُمت دا وناں
توں عرش فلک دا والی — تیرے ملک فلک گھرینالی
تیڈا جبرائیل مثالی — معراج مانے بناں
تیڈے میلے ملک افلاکی — اُتے نوری ناری خاکی
سر چھتر تیڈے لولاکی — معراج مانے بناں

اسی طرح ایک ہدہد نامہ بھی ملا ہے جو احمد یار کا لکھا ہوا ہے اور یہ بھی قلمی ہے اور ، انواع حبیب فائق کے پاس محفوظ ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

ب رسالہ جیویں ہد ہد مدینے دی طرف جا — تمامی حال مہجوری دے سُنوا
کریں پہلے طواف اوس یار دے توں — میرے اُس یار تے غمخوار دے توں
کریں بعد از ثنائش صد تحیات — کروڑاں بار تسلیمات و صلوات
باہاں بدھ کر ادب دے نال اونجا — دو زانو بہہ کے سبہ احوال سنوا
آکھیں رو رو کے سارا ہجر دا حال — کدی حضرت اسانوں مہر توں بھال

ند شاعر کا حلیہ مبارک بھی کافی تعداد میں ہیں اور مختصر ہیں۔ مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے حلیہ مبارک کے شعر دیکھیں:

ہنس مکھ رہے ہمیشہ سرور غصہ کڈھا نہ آوے
جوش دے وقت متھے وچ ہک رگ اوبھرے جنبش کھاوے
رہے نگاہ ہمیشہ جھکی اوتے ڈیکھے گاہے
پہلے کرے سلام ہمیشہ خلق دے نال الائے (22)

قصہ ہرنی (23) سرائیکی علاقے میں بہت پڑھا جاتا ہے اور یہ سرورِ کائنات ﷺ کا معجزہ ہے اُسے بھی بہت سے شاعروں نے نظم کیا ہے۔ایک قصے کے اشعار دیکھیے:

اول حمد کہو سب مومن آنوشکر بجا
ملطق رازق خالق ہر دا سچا پاک خدا
حضرت ہی محمدؐ صاحب نبیاندا سردار
پڑھو درود و صلوٰۃ ہمیشہ مومن بے شمار

سرائیکی میں نعت بطورِ صنف کے بہت بعد میں آئی ہے۔عہدِ قدیم سے سرائیکی میں مولود شریف لکھے جاتے تھے اور مسجد میں یا مذہبی جلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔مولوی شریف کے کئی کتابچے شائع ہوئے ہیں۔جن میں فدوی مولوی محمد اعظم، احمد یار، نور محمد گدائی، مولوی عبیداللہ، مولوی کریم بخش پردیسی، خادم اور مولوی محمد صدیق امر پوری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔مؤخر الذکر شعراء کے نمونے دیکھیں۔(خادم کے مولود شریف کا قلمی نمونہ)

قاصد شوق کبوتر ہوئے — شہر مدینے جائیں میڈے یارا
خدمت پاک نبی سرور دے — رو کر حال سنائیں میڈے یارا
بہہ کر نال نیاز ادب دے — حاضر خدمت شاہ عرب دے
عرض کریں سبہ نال طلب دے — سمجھ کے سخن الائیں میڈے یارا

اور اب مولوی محمد صدیق کے مولود شریف کا نمونہ:

صبا ونج آکھ سوہنے نوں تیرے درداں مکایا ہے
ایہہ اگ تیرے ہجر والی جگر میرا جلایا ہے
وچھوڑا نت مریندا ہے جگر میرا جلیندا ہے
صبر کیتا نہ ویندا ہے النبا عشق لایا ہے (24)

اسی طرح نورن گدائی کا بارہ ماہ محمدی بھی سرائیکی شاعری کا شاہکار ہے۔نمونہ دیکھیں:

چیتر چیت ہمیشہ کردی وچ مدینے جانواں میں
روضے پاک نبیؐ دے اوتوں اپنی جان گواواں میں
جیکر ہوواں حضوروں پوری سارے مطلب پاواں میں
رب رحیم کریم قادر توں ہر دم ایہو چاہاں میں
وساکھ وساکھی لوکی جاون میں ٹر پوواں مدینے نوں
جس دی دولت دین دُنی سب ڈیکھاں اوس خزینے نوں

ان سب منظومات میں عشقِ خداوندی، حبِ رسول ﷺ اور تلاشِ یار کے مضامین ملتے ہیں اور ان کا بڑا مقصد بخشش ہے اور قربِ الٰہی کے بعد قربِ رسول ﷺ کی خواہش ہے۔ ان کے مطالعے سے اس دور کے لوگوں کی دین سے محبت اور اسلام کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کی خواہش کا پتہ چلتا ہے اور اس طرح ان کے مذہبی رویے سامنے آتے ہیں۔

سرائیکی میں 879ھ میں نصاب ضروری بھی لکھا گیا ہے جو سرائیکی لغت ہے اور اس کے مصنف مولوی خدا بخش ساکن تونسہ شریف ہیں۔ اس میں سرائیکی ذخیرہ الفاظ کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کے الفاظ بھی کثرت سے ہیں۔ ایک نمونہ دیکھیے:

غافر بازی بخشن والا	اُس دا کم سردیاں ٹالا
رسول پیغمبر مرسل پٹھیا	شیطان ابلیس فگندہ سٹیا
ملک فرشتہ پری ہے جن	ہاتف سروش بستان گہن
چرخ فلک سپہر آسمان	گیتی دنیا آفاق جہان (25)

قرآن پاک مسلمانوں کے لئے منبع نور و رشد و ہدایت ہے۔ سرائیکی دانشوروں اور عالموں نے قرآنِ پاک کے سرائیکی تراجم بھی کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

بارھاں سورہ شریف	محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ
پارہ الم	مولوی احمد بخش

قرآن پاک دا پہلا پارہ الم	مولانا خیر الدین صابر ملتانی
قرآن پاک دے تیرھویں	مولانا عبدالتواب ملتانی

پارے دا ترجمہ:

قرآن کریم پارہ نمبرا	نور احمد بن شمس الدین سیال
قرآن مجید	محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاول پوری
قرآن مجید	ڈاکٹر مہر عبدالحق
ترجمہ تفسیر سورۃ الفاتحہ	دلشاد کلانچوی

ان تراجم میں کافی فرق ہے۔ اس لئے نمونے کے طور پر سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ درج کیا جاتا جو سرائیکی میں ہے:

''سبھے صفتاں اللہ دین جو سارے جہاناں دا پالن والے اتیں ایں جہان وچ ہر کہیں تیں مہربانے اتیں او جہان وچ مسلمانیں تیں۔ قیامت دے ڈینہ دا مالکے۔ ہک تیڈی بندگی کریندے ہئیں تیں ہک تیں کنوں یاری۔''

(مولوی احمد بخش)

''سب تعریف واسطے اللہ دے ہے جو پالن والا ہے جہاناں دا عام رحمت والا ہے خاص رحمت والا ہے مالک ہے ڈینہ جزا دا خاص تیڈی بندگی کریندے ہئیں اساں۔ اتے خاص تیڈی مدد چاہیندے ہائیں۔ چلا ساکوں راہ سدھا۔ راہ اُنہاں لوکاں دا جو انعام کیتا تیں اُتے اُنہاں دے نہ اُنہاں دا جو کاوڑ کیتی گئی اُتے انہاں دے اُتے نہ گمراہاں دا۔''

(مولوی عبدالتواب ملتانی)

''سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے جو پالن والا ہے سارے

جہان دا۔ وڈا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ مالک ہے ڈینہ جزا دا صرف تیڈی عبادت کریندے ہئیں اساں اتے صرف تیں کنوں مدد منگدے ہئیں اساں۔ ڈکھا اساکوں رستہ سدھا۔ رستہ اُنہاں لوکاں دا انعام کیتے ہن تیں اُتے جنہاں دے نہ رستہ انہاں لوکاں دا غضب تھیا جنھاں تے اُتے نہ گمراہاں دا۔''

(محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ)

جمہ درج ''سب تعریفاں اللہ دیا ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالن، ودھاون تے پَھلاون پُھلاون والا ہے۔ خاص رحمتاں والا عام رحمتاں والا کیتی لہن دے ڈینہ دا مختار کُل۔ اساں سب صرف تیڈی عبادت کریندے ہئیں اتے ہک تیں کنوں مدد منگدے ہئیں۔ ٹور اساکوں سدھے ہموار رستے تے اُنہاں لوکاں دا رستہ جنہاں تے تیں نعمتاں نازل کیتن نہ اُنہا دا جیڑھے تھڑ کیے ہوئین۔''

(ڈاکٹر مہر عبدالحق)

اِن حوالوں سے ترجمے کے فرق کو دیکھا جاسکتا ہے ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ترجمہ آسان، رواں، سادہ اور بامحاورہ ہے اور اس سے قرآن فہمی مقصود ہے۔

سرائیکی فقہی مسائل اور احادیث کے بھی ترجمے ہوئے۔ اس سلسلے میں پکی روٹی، تحفۂ زنان، خطبہ الجمعہ، رسالہ بے نمازاں تنبیہ غافلاں، عیوب النفس اور نماز مترجم معروف ہیں۔ دلشاد کلانچوی نے ''چالیھ حدیثاں'' کے نام سے پہلی بار احادیث کا ترجمہ شائع کیا۔ شہادتِ امام حسین کے بعد مرثیہ گوئی کا خاصا چرچا ہوا۔ ملتانی ذاکرین ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پہنچے۔ خاص طور پر لکھنؤ اُن کا مرکز رہا۔ منشی عبدالرحمٰن خان رقمطراز ہیں: ''ملتان میں آل محمد ﷺ کے تذکروں کا آغاز 760ء سے ہوا جب پہلے پہل اہل تشیع ملتان میں وارد ہوئے۔ ان کے بعد قرامطی آئے ...ایران جب تاتاریوں کی گرفت میں آیا تو ملتان میں اتنے

ایرانی دانشور، شرفاء اور ساداتِ عظام پناہ گزین ہوئے کہ بقول علامہ تمکین کاشی ''ملتان ایران بن گیا۔'' ان نو واردوں میں ایک مُل علی نامی پُر جوش شیعہ مبلغ بھی تھا جس نے تبلیغ و تلقین سے ملتان کے دت برہمن مشرف بہ اسلام ہوئے اور حسینی برہمن کہلانے لگے۔ ان تعلیم یافتہ برہمنوں نے واقعاتِ کربلا کو مہابھارت کی طرز پر منظوم صورت میں گا گا کر اہلِ ملتان کو عزائے حسین علیہ السلام کا خوگر بنایا... ملتانی مرثیہ گو حضرات نے وطنیت کی تنگنائے سے نکل کر اسلام کی وادی کو سرسبز و شاداب کیا اور اُنہوں نے اپنی شاعری کے ڈانڈے سرزمینِ حجاز سے ملائے ...ملتانی شاعر فاتح خیبر، مجاہدینِ بدر و حنین اور شہدائے کربلا کے حضور میں عقیدت کے پھول پیش کرتے رہے۔ اس لئے ان کا مقام فردوسی ایران سے بلند و بالا رہا اور اُنہوں نے مرثیہ گوئی کی صنعت کو صحیح رنگ دیا جس سے اسلام اور شہیدانِ اسلام کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔''(26)

بہرحال مرثیہ وہ صنف ہے جسے ملتانی (سرائیکی) شاعروں نے بڑی وسعت دی۔ مرثیے کی ابتدا اور مرثیہ نگاروں کے بارے میں میرا مضمون سرائیکی شاعری میں مقامِ حسینؓ مطبوعہ ماہِ نو جون 1984ء ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ملتانی مرثیہ پر جم کر کام نہیں ہوا تاہم مراثی کے کچھ مجموعے مل جاتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں بھی ملتان کے میاں سکندر اور میاں مسکین ملتانی نے مرثیے کی روایت قائم کی۔ سرائیکی شاعری میں کیفی جام پوری نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ خاص طور پر میاں سکندر کے کچھ شعر درج کئے ہیں۔ مولانا غلام محمد محمودی تونسوی (متوفی 3 جنوری 1979ء) نے ایک بند میں مرثیہ نگار شعراء کا تذکرہ کیا ہے دیکھیے:

ثناء خوانیاں کر کے رنگ رنگ دیاں مولا دے رنگ رنگ دے جگ توں ثناخواں ٹُر گئے
ہا سیدن، نذر، بھٹی، آغا، امیرن، سڈا ذاکراں دے جو سلطان ٹُر گئے
سکندر ہا، فیروز، فدوی یا مولائی مولا دے بلبل خوش الحان ٹُر گئے
فدا ہا یا تائب یا واصف یا آصف شہنشاہِ اقلیم و عرفان ٹُر گئے

کراں بند قصہ طوالت دے ڈر توں کروڑاں ادیبانِ ذیشان ٹُر گئے
ٹرپے شوق تے فوق دی دُر سیندے بہارِ خیابانِ ملتان ٹُر گئے
ودا آکھسی ہک دیہاڑے زمانہ جو محمودیؔ آلِ عمران ٹُر گئے

اس تناظر میں مرثیے میں سرائیکی کا ورثہ بے پناہ ہے اور اس میں جو درد اور سوز ہے وہ ہر انسان کو غمِ حسینؓ میں آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

قدیم مرثیہ نگار غلام سکندر غلام نے مرثیے کو حقیقی سوز و گداز بخشا اور مرثیے کے فن کو نکھارا۔ ایک بند دیکھیے: (27)

لکھ تیر آہا ہک ویر آہا وچ بھیڑ آہا لوکاں دے
آکھے ونجاں ہا ڈکھ ونڈاں ہا کوئی منجاں ہا وچ فوجاں دے
جے پھراں ہا ایہا کراں ہا ونج مراں ہا وچ قدماں دے
ٹرہوواں ہا ونج رووٓاں ہا توڑے ہوواں ہا کول اکھیاں دے

غلام حیدر فدا کا ایک بند ملاحظہ ہو:

درد اندا بھریا قصہ ہے زہرا دے لال دا
مظلوم کربلا دا شہ لاجپال دا
لکھیا ہے آتھیا جڈاں ویلا زوال دا
جُڑ بن کے بیٹھا جان کے ویلا وصال دا
ساری مٹائی سجناں عزیزاں دی سِک حسینؑ
زخماں توں چُور چور تے ہک نال ہک حسینؑ (28)

ان مرثیوں میں نظم کے ساتھ نثر بھی ہوتی تھی جو ذاکرین بیچ میں پڑھتے تھے اور تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔

اولیاء اور صوفیائے کرام اپنے وعظوں اور ملفوظات کے حوالے سے اسلامی اخلاقی اقدار کا پرچار کرتے رہتے تھے اور تزکیۂ نفس و تطہیرِ قلب کی تلقین کرتے تھے اور یوں تصوف کا

چرچا رہتا تھا۔صوفی شعرا نے اپنے اپنے انداز میں عشق حقیقی کی تلاش وجستجو، عشق رسول ﷺ اور راہِ سلوک کی منازل طے کرنے اور ایک میں ایک ہوجانے جیسے موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے رہے۔سرائیکی میں بھی تصوف کی ایسی شاعری کا بڑا ورثہ موجود ہے۔شاہ حسین، سلطان باہو، بلھے شاہ، سچل سرمست، حافظ جمال ملتانی، خواجہ فرید، علی حیدر، خیر شاہ اور بہت سے دوسرے صوفی شعرا کا کلام جہاں سوز وگداز سے معمور ہے وہاں اس میں حجازی لے بھی ہے جو دِلوں کو سکون پہنچاتی ہے اور انسان کو صحیح اسلامی راہ کی طرف گامزن بھی کرتی ہے کہ اہل اللہ اور صوفیا کا یہی کام تو ہے۔چند مثالیں دیکھیں:

مائے نی کیکوں آکھاں درد وچھوڑے دا حال
دُھواں دُکھے میرے مُرشد والا جاں پھول تاں لال
سولاں مار دوانی کیتا برہوں پیار ساڑے خیال
دُکھاں دی روٹی سولاں دا سالن آہیں دُھواں بال
کہے حسین فقیر نماناں شہ ملے تاں ہوواں نہال
(شاہ حسین)

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پُھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہ بوٹی لائی ہو
(سلطان باہو)

عاشق پھردے چپ چپاتے جیسے مست سدا مدھ ماتے
دام زلف دے اندر پھاتے اوتھے چلے وس نہ زور
(بلھے شاہ)

ہک دم ہوون نال اللہ دے بہتر کنوں بادشاہی
کیا جو ملک سلیمان ہویا جیں دے لکھ سپاہی
دیو پری سبھ حکم تہیں دے آہی توڑے ناہی
انہاں کنوں سوئی دم زیادہ ڈیوے سچل عشق گواہی
(سچل سرمست)

رخ خوبی دے ڈوچار ڈیہاڑے کریں وڈائی کوڑی
ڈیکھ سئیاں مت کوٹھوں تیڈے دیندی خلق سموڑی
ٹُر گیاں سَے سَے کیسر بھیناں منہ تے پائی دھوڑی
کل جمال تڈاں وت پوسی نال عمل نہ موڑی
(حافظ جمال ملتانی)

ہادی مینوں سبق پڑھایا غیر نہ اتھے آیا جایا
مطلق نور جمال ڈکھایا مٹ گئے جھگڑے ہورنی
ملیا کعبہ قبلہ جانی رہیا نہ میرا نام نشانی
ہُن میں ہویا لامکانی وحدت کیتا زور نی
(غلام حسن گامن ملتانی)

عمر ونجائیو وچ مستیاں مستی دور نہ کیتو
حرص ہوس دا حفظ کتوئی معنیٰ صاف نہ کیتو
جو کجھ ڈٹھو ڈیکھ نہ جاتو دید شرم دی ستیو
خیر کیتو برباد حیاتی حاصل کجھ نہ کیتو
(خیر شاہ)

حضرت خواجہ فریدؒ کی شاعری اس سلسلے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی کافیوں میں جو سوز و گداز، مٹھاس، شیرینی اور ترنم ہے وہ اور کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ خواجہ صاحب

نے لحنِ داؤدی میں حسنِ حقیقی اور عشقِ حقیقی کی تلاش کا جو نغمہ تخلیق کیا ہے اور عقیدت و محبتِ رسول ﷺ کی جو سرمدی لَے بکھیری ہے اس کی بنا پر وہ سب کے دِلوں کی دھڑکن بن گئے ہیں۔ علائم و رموز کے حوالے سے انہوں نے جس طرح مسائل تصوف کو بیان کیا ہے اور جس طرح علاقائی علامت کے ذریعے اظہار کیا ہے اس میں ان کا ثانی نہیں۔ ریاض رحمانی نے صحیح کہا ہے:

میر، سودا، ذوق تے غالب دا میں منکر نہیں
کیا کراں جو دل ہے دیوانہ فریدن پیر دا

خواجہ فرید وحدت الوجودی صوفی تھے اور ان کی شاعری پر اس نظریے کے گہرے اثرات بھی ہیں۔ اس حوالے سے ان کے ہاں عشق کی دھونی رچی ہوئی ہے۔ نمونۂ کلام دیکھیں:

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ، سبحان اللہ
خود عاشق خود معشوق بنا سبحان اللہ، سبحان اللہ

.....

ہکو الف ہم بس وے میاں جی ہور کہانی مول نہ بھانی

.....

رانجھن میرا نور الٰہی مظہر ذات صفات کماہی
سر لولاک کلنگی پائی طٰہٰ چتر جھلایا ہے

.....

سوہنے یار پنل دا ہرجا عین ظہور
اول آخر ظاہر باطن اُس دا جان ظہور

.....

ہر ہر جا وچ رانجھن ماہی آیا نال صفات کماہی

سب سُراہند مُرلی واہی رمز حقائق چولے
و فی انفسکم بھیت بتاوے نحن اقرب مین بجاوے
لو دیتم گیت سناوے لفظ اناالحق بولے
جوکوئی دل ڈوں دھیان رکھیسی سارے گُجھڑے رازنوں پیسی
اثنینت کل اُٹھ ویسی بھج پوسن سبھ بھولے
فاش فرید اے وعظ سُناتوں عالم جاہل شاہ گدا کوں
جے کوئی چاہے فقر منا ئوں اپنے آپ کوں گولے

سرائیکی ادب میں داستانیں بھی لکھی گئیں۔ کچھ تو اسلامی داستانیں ہیں۔ مثلاً یوسف زلیخا اور کچھ ہندوستانی داستانیں مثلاً سیف الملوک، ہیر رانجھا، سسی پنوں وغیرہ۔ ان داستانوں کو اسلامی اثرات کے حوالے سے نظم کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کو کیوں نظم کیا گیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان داستانوں میں تلاشِ حق، عشق ومحبت، مقصدیت کے لئے جان کی بازی لگا دینا ایسی اقدار ہیں جو اسلامی تعلیمات کا جزو ہیں۔ خاص طور پر اہلِ تصوف نے سسی کے حوالے سے تلاشِ پیہم، عشق ومحبت میں مصائب جدوجہد اور تلاشِ حقیقت کے جذبے کو لیا ہے۔ یوسف زلیخا کا قصہ تو خیر قرآنی ہی ہے اور اسے مولوی عبدالحکیم اچوی نے نظم کیا ہے۔ ایک بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ ان تمام عشقیہ داستانوں کا آغاز حمد، نعت، شانِ صحابہ وغیرہ سے ہوتا ہے۔ چند نمونے دیکھیں:

الٰہی معرفت انپڑی ڈکھائیں مینوں دیدارِ سبحانی کرائیں
اُٹھائیں کر جو لاخوف علیہم ولا ہم یحزنون ہے جن کو لازم
تو ہیں ہر دو جہاں ضامن شرم دا وساؤ سر اساڈے مینہہ کرم دا

شبِ معراج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے عبدالحکیم کا رنگ دیکھیں:

چلو عبدالحکیماں تاں چلائیں صفتِ معراج دی ظاہر کرائیں
عجب ہک رات پُر برکات آہی جو عالم تے خوشی دی ڈات آہی

میں کیا اوں رات دا احوال آکھاں سراسر نور بلکہ فیض لاکھاں

(یوسف زلیخا از عبدالحکیم اوچوی)

مولوی احمد یار تونسوی کی یوسف زلیخا کا نمونہ دیکھیں:

گل گلزار نورانی حضرت شرف جیکوں تطہیرے
ملک معظم خادم در تے جیا غوث قطب کل پیرے
مجلس خاص خدا دی نال جبرائیل وزیرے
دو کونین بہشت جو سارے سرور دی جاگیر اے

مولوی لطف علی کی سیف الملوک (سیفل نامہ) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یوں تو یہ چھپ چکی ہے مگر یہاں اس کے قلمی نسخہ سے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

آکھ ادا کر بندہ ہر دم حمد صفت سبحانی
صدق سینے رکھ صاف سینہ کر یاد ذکر یزدانی
قد کرونی اذکرو گم اے دل سمجھ رموز نہانی
ہے ہر شے تے حا ناظر ہس حاضر ہر بانی
رکھے شہ شمار اندر کُل قطرہ ریگستانی

یوں تو ہیر رانجھے کے کئی قصے منظوم کئے گئے مگر 'چراغ اعوان' دی ہیر کو ان سب پر فضیلت حاصل ہے۔ چراغ اعوان (1679ء۔1732ء) نے اس قصے کو خالص اسلامی رنگ دیا ہے۔ آغاز کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

اول آخر ظاہر باطن سچا پاک الٰہی
ازل کنوں تا ابد ہمیشہ اوندی شاہنشاہی
کُن فیکوں الہٰ معظم قدرت رب ڈکھائی
کُن کنوں سب کیتُس پیدا جو خواہش وچ آہی
بے تکیہ ستون ہوا تے چھت اسمان ٹکائی

زمین مثل وچھانے دے رب قدرت نال وچھائی
گھاہ زمین تے جی جتاماں آکھن حمد خدائی
پکھی پرندے تے بری بحری سب شے آپ اُپائی (29)

یوں دیکھا جائے تو کیا نظم کیا نثر ہر تحریر میں اسلامی تہذیب کے عناصر جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ لمحۂ موجود میں بھی سرائیکی دانشور نعتیں تخلیق کرتے ہیں اور حمدِ خداوندی کے گیت گاتے ہیں۔ چند شعراء کی نعتوں کے اشعار بطورِ مثال پیش ہیں:

اڈیں وی نگاہِ کرم بختیں والا — بھگیندے نیں ہن اے غم بختیں والا
جنہاں نال عرشیاں دی ونج سِک لہایو — میڈے گھر دی او خوش قدم بختیں والا
تیڈے حسنِ احسن دی تمہید لکھدیں — ہے حیران لوح و قلم بختیں والا

(نور محمد سائل)

تیڈے روضے پاک تے مدنی — وسے مینہ رحمت دا ہر دم
رہے رات ڈیہاں ایہو عالم — جیویں آندی اے پُھل تے شبنم
توں رب دا پاک نبی ہئیں — محبوبِ خدا عربی ہئیں
توں گوہر مطلبی ہیں — توں سید ولدِ آدم
ہئیں شافع روزِ جزا دا — بے واہی کوں دامن لاچا
میکوں کملی ہیٹھ لکا چا — ایں چشم ز لقف تو دارم

(صادق محمد خاں عباسی)

میر آف بہاول پور

خالق مالک تے ستار — او رحمٰن او بخشن ہار
کیڑھا صفتاں کرے شمار — وڈی گل تے چھوٹا وات
رب سوہنے دی اُچی ذات — اوں دے ناویں کُل صفات

سوہنے نبی دی شان خدا دا کمال ہے
کیں کوں ہے دعویٰ نال دا کیندی مجال ہے
عظمت تیڈی ہے دوہاں جہاناں دے واسطے
اتھے کوئی مثال نہ اُتھے مثال ہے
(محمد سلیم احسن)

زمین تے سوجھلا احسان اے حضور دا ہے
تمام دہر تے سایہ انہاں دے نور دا ہے
منیر ارض و سماوات دے اے محسن ہن
تمام دہر دا منشور گھن حضور آئے
(منیر فاطمی)

اس کے علاوہ ارشد ملتانی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، حبیب فائق، ریاض رحمانی، رشید عثمانی، حیدر گردیزی، اُمید ملتانی، قیس فریدی، اقبال سوکڑی، سرور کربلائی، جانباز جتوئی اور بہت سے شعراء حمد، نعت اور منقبت لکھ کر اپنا مذہبی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور نعتیہ مشاعروں، مذہبی جلسوں اور دینی اجتماعات میں وہ اسلامی موضوعات پر نظمیں پڑھتے ہیں۔ ایم بی اشرف نے 'کونین دا سنہڑ ھپ' کے نام سے ایک طویل نعتیہ نظم لکھی ہے جو ایک شاہکار ہے اور اس کا حوالہ یہاں ناگزیر ہے۔ اس کے کچھ اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں جو شاعر کی عقیدت و محبت کا بھرپور اظہار بھی ہیں اور شاعرانہ فن کاری اور صناعی کا روشن ثبوت بھی:

آیاں استقبال وے کیتے حوراں لکھ ہزاراں
کل انبیاء تے ملک فلک توں لتھے بنھ قطاراں
خوش تھی مدنی دے جمنے تے حوراں گاون واراں
ڈیون کانن مبارک بادی آیاں مار اُڈاراں
جُھومیاں عرش معلیٰ سُن تے خوشیاں دیاں چہکاراں

گُل کینات کوں ازلاں توں ہُن جنیدیاں واٹ نہاراں
او آیا تاں اجڑی دھرتی تھی گئی گُل گلزاراں
پاک محمد دے جمنے عرشاں تے دھوم مچائی
جنت دے ہر ون دے پتے پتے رم جھم لائی
طوبیٰ حجب تے سدراہ انپڑیں وکھری ٹور نڑائی
کل حوراں دی پیشانی وچ چمک ایں نور ڈکھائی
جنت دے ہر محل تے غرفے وچ تھی گئی روشنائی
ہک بئے کوں پئے ڈیون عرشی بھج بھج خیر ودھائی
عرشاں دے گُل چپے چپے تے خود ذاتِ الٰہی
الرحمٰن دیاں جھنڈیاں تے یٰسین دیاں لڑیاں لاتے
الحجرات، حجر الشوریٰ قٓ تے نٓ ٹھہا تے
الکوثر والناس فلق اخلاص دے پھل چُنواتے
الھمزہ، تحریم،تغابُن دے سہرے نبڑوا تے
الاحقاف فتح تے زخرف دے موتی ٹکوا تے
الطارق الشمس نجم الطور دے ہار لوا تے
الفرقان مزمل تے والیل دے جلوے پاتے
ال عمران حدید بروج دیاں فل لاٹاں فرما تے
الانعام نساء الشعراء تے النور سجاتے
الانفال بقر الرعد تے الانبیاء نکھراتے
سورت ابراہیم سبا لقمان دے سوجھل پاتے
الاعلیٰ البلد فجر طٰہٰ دے لشکے راتے
سورت یوسف، ھود تے یونس تے مریم سنوارتے

کُل دے کُل قرآن کوں زینت عرش بریں بنا تے
نال نورانی جلوے دے کل عرش بریں سجایا
شہ لولاک دے جمنے دا خود خالق جشن منایا
وت وی سِک نہ لتھی رب دی سوچس کول سڈاواں
ہک واری محبوب دا ول عرشاں تے جشن مناداں
میں دلدار دی شان اقدس دے آپ قصیدے گاواں
کُل حوراں توں سوہنے مدنی دیاں نعتاں پڑھوانواں
اَو ادنی قوسین تدہ سِد راہ خواب سجانواں

سرائیکی کی دو قدیم تحریروں کے حوالے سے قصیدہ بردہ کے سرائیکی ترجمے کا ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بھی قصیدہ بردہ شریف کا فارسی، اردو اور سرائیکی میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نال کریں انکار توں حضرت دی وحی خواب دا
اکھیں بھانویں سم ونجن ہا دل ہا دہندا جاگدا
وصف آ کھڑے میکوں آیات دے چمکار دا
روہ تے جیویں رات کوں بلدی ئے مہمانی دی بھاہ
مٹی بھریے ہتھ ولیندی نھیں سخاوت آپ دی
کیوں جو مینہ بٹیاں تے وی ڈیندے پُھلاں کو زندگی

سیرۃ نبوی ﷺ کے موضوع پر سرائیکی نثر میں ڈاکٹر مہر عبدالحق ہی کی کتاب ''کونین دا والی'' کو اولیت حاصل جس میں انہوں نے سیدھے سادے انداز میں اسوۂ حسنہ کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ کتاب کا اسلوب ادبی چاشنی رکھتا ہے اور رسالت مآب ﷺ پر کیے گئے غیر مسلموں کے اعتراضات کو مدلل حوالوں سے بھی رد کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ ڈاکٹر صاحب کا قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ دلشاد کلانچوی نے بھی سیرت کے سلسلے میں تین کتابچے تحریر کیے ہیں۔ پہلا

''جڈاں رسول کریمؐ بال ہن'' دوسرا ''جڈاں رسول کریمؐ نینگر ہن'' اور تیسرا ''جڈاں رسول کریمؐ کوں نبوت ملی'' یہ تینوں کتابچے سیرتِ سرورِ کونین ﷺ کے سلسلے کی کامیاب کوششیں ہیں۔

حج کے سفرنامے کے سلسلے میں ابھی تک سرائیکی ادب کا دامن خالی تھا۔ مگر حال ہی میں حبیب فائق کے کتب خانے میں قاضی محمد عارف کا لکھا ہوا حج کا سفرنامہ کوہِ غم ملا ہے۔ جسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سرائیکی کا پہلا منظوم سفرنامہ حج قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مضمون ان کی تازہ کتاب سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں میں شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں۔ ''قاضی محمد عارف دا سرائیکی سفرنامہ حج سرائیکی زبان دا پہلا سفرنامہ ہے تاہم ایندی ابتدا اُوں زمانے دے دستور دے مطابق حمد نعت اُتے مناقبِ بزرگاہ نال کیتی گئی اے تاہم حمد اُتے نعت دے چار چار شعر ہن:

حمد

واحد لاشریک خداوند ہور شریک نہ کوئی
کن فیکون کنوں سبھ پیدا زمین اسمان کتوئی
فرش زمین دا پاڑیں اُتے قدرت نال وچھوئی
جنبش گولوں میخ پہاڑاں محکم خوب ٹھکوئی

نعت

جلدی پھیر عنان قلم ہُن نعت رسولؐ لکھیوے
طٰہٰ یٰسین مزمل کوں ونج شان رسولؐ پڑھیوے
شافع اُمتؐ سرورِ عالمؐ بر سر چشم منیوے
رکھ اُمید شفاعت دی تا حشر رہائی تھیوے
دم دم شوق رسول دا سینے ہر دم یاد کریوے
مینم یار نبیؐ دے برحق دین نبیؐ دے ڈیوے

غالب شوق عرب دا دل وچ کیا کیا کھول اکھیوے (30)

قاضی محمد عارف سفر پر روانہ ہوتے وقت لکھتے ہیں:

طرف مدینے تھیم روانہ ہویا لطف خدایا
نہیں کُجھ خوف سفر دا ہرگز نام خدا سر چایا
تھیسی فضل الٰہی شامل ہوسی پندھ سجایا
طالب ہاں دیدار نبیؐ دا ہر دم شوق سوایا

مدینہ پہنچنے کے بعد قاضی محمد عارف اس طرح اظہار کرتے ہیں:

روضہ پاک رسول معظمؐ نور نظر سے آوے
گنبد سبز مزار اوپر کیا سبزی عجب سہاوے
ہر دم برسے نور الٰہی سبھ معمور ڈکھاوے
وچ حرمین ہے نور معلٰی فرحت در دل آوے
سبز غلاف ہے روضے تے نت نور خدا برساوے

آخر میں اظہار دیکھیے:

حاصل تھئے مقصود تمامی ہر دم شکر گزاراں
لیکن شہر مدینہ نوری دلوں نہ مول وساراں
پاک نبی دے روضے دی جاں دل تصویر چتاراں
سینے نظرے روضہ نوری نال ڈسن میناراں (31)

سرائیکی ادب کا معتد بہ حصہ ابھی تک چھپ کر سامنے نہیں آیا اور قلمی صورت میں موجود ہے اور اسے تلاش کرنا بھی ضروری ہے اب تک جو کچھ قلمی شکل میں یا چھپ کر سامنے آیا ہے۔ اس کے حوالے سے سرائیکی ادب پر اسلامی تہذیب کے عناصر دیکھے جاسکتے ہیں۔

لحۂ موجود کا سرائیکی ادیب آج بھی ایسا ادب تخلیق کر رہا ہے جو اسلامی ادب، قومی ادب یا پاکستانی ادب کہلایا جاسکتا ہے۔ خطۂ ملتان میں کہ جو اولیاء اور اللہ کے برگزیدہ لوگوں

اور ہستیوں کی سرزمین ہے اب بھی ایسی بزرگ ہستیاں موجود ہیں جن کے فیض کے چشمے جاری ہیں۔ ملتان جسے پیروں فقیروں کا شہر کہا جاتا ہے وہاں مساجد بھی ہیں اور اسلامی درسگاہیں بھی۔ کتب خانے بھی ہیں اور لائبریریاں بھی۔ خطہ اوچ اپنی علمی ادبی مرکزیت اور روحانی فیوض و برکات کے حوالے سے اب بھی اہم ہے۔ بہاول پور اسلامی تشخص کا شہر ہے اور ان سب علاقوں کے بسنے والے اور سرائیکی وسیب کے تمام وسنیک اسلام سے گہری محبت، دین سے عقیدت اور اسلامی اصولوں سے پیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے نظامِ مصطفےٰ ﷺ کی ہر تحریک کا بھرپور ساتھ دیا جاتا ہے اور اس خطے میں تخلیق کیا جانے والا ادب اسلامی قدروں اور قومی اُمنگوں کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ تلاشِ حق کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہی رویے اور رجحانات ان کی تخلیقات میں بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ مگر پھر بھی ابھی تک ضرورت اس بات کی ہے کہ سرائیکی ادیب خالصتاً اسلامی ادب تخلیق کریں اور اُن کی سوچ خالص اسلامی ہو تاکہ دنیا بھی سدھر جائے اور عقبیٰ بھی سنور جائے اور ان کے دل خدا اور اس کے رسول ﷺ کے حوالے سے دینِ اسلام کے لیے دھڑکیں۔ خواجہ فرید نے درست فرمایا ہے:

اتھاں میں مُٹھری نت جان بلب
اوتاں خوش وسدا وچ ملک عرب
تتی تھی جوگن چودھار پھراں
ہند، سندھ، پنجاب نے ماڑ پھراں
مُنج برتے شہر بزار پھراں
متاں یار مِلم کہیں سانگ سبب

حواشی

1۔ عرب و ہند کے تعلقات از مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۹
2۔ اس نظم کا عنوان ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت ہے۔'' کلیاتِ اقبال ص ۸۷
3۔ آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام، ص ۲۰
4۔ تاریخِ سندھ حصہ اول از اعجاز الحق قدوسی، ص ۵۷
5۔ عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی، ص ۳۰۳۔۳۰۲
6۔ ایضاً، ص ۳۰۵
7۔ آئینۂ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خاں، س ۱۰۱
8۔ سفرنامہ اصطخری، لائیڈن پریس، ص ۱۷۷
9۔ سفرنامہ ابنِ حوقل، لائیڈن پریس، ص ۲۳۲
10۔ آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام، ص ۵۵
11۔ عرب و ہند کے تعلقات از مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۳۳۲۔۳۳۱۔۳۳۰
12۔ سندھ میں اُردو از ڈاکٹر شاہدہ بیگم، ص ۳۰
13۔ ماہِ نو مئی ۱۹۴۹ء، ص ۲۷
14۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، س ۴۵۔۱۴۴
15۔ حضرت داتا گنج بخش کے بقول ''لاہور یکے از مضافاتِ ملتان''
16۔ ملتان میں اُردو شاعری از ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص ۱۰۔۹
17۔ تاریخِ سندھ از ابوظفر ندوی، ص ۳۶۶
18۔ ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۳۲۵
19۔ مسچار کراچی یکم فروری ۱۹۸۱ء، ص ۱۲ بحوالہ ڈان کراچی، ۸ اگست ۱۹۸۰ء
20۔ معراج نامہ حافظ محمد شاعر مرتبہ دلشاد کلانچوی، ص ۲
21۔ حلیہ مبارک از مولوی عزیز الرحمٰن عزیز، ص ۶
22۔ قصہ ہرنی معجزہ سرورِ کائنات از ڈتن ملتانی، ص ۱
23۔ مثنوی شمس الطریق معہ مولود شریف از مولوی محمد صدیق امر پوری، ص ۱۴

24- آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خاں، ص ۳۸۳۔۳۸۲
25- سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال از خلش پیر اصحابی، ص ۵
26- دربارِ شہدا از غلام حیدر فدا، ص ۱۷۔۱٦
27- چراغ اعوان دی ہیر مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص ۳۴
28- سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۳۸۹۔۳۸۸
29- ایضاً، ص ۴۰٦۔۴۰۵

❁❁❁